ڈاکٹر محمد اعظم چوہدری
شعبہ سیاسیات وفاقی اردو یونیورسٹی، کراچی

پنجابی ثقافت کی جہتیں

DIMENSIONS OF PUNJABI CULTURE

ABSTRACT

Three things were prominent in Punjabi culture due to road path of multi race invaders i.e. different religions, languages and traditions. the colours of cosmopolitan is reflected in the variety of Punjabi culture.

Archaeologists considered Soan valley (near Rawalpindi) as the first ever human settlement. Besides Mohenjo-Daro and Harappa traces of life were found in more than thirty places which reflect the excellence of our civilization .

Old religious books Rigveda, Mahabharata and Ramayana and non-religious books Ashta Dhyayi, Mahabhasia and Punj Tantar were written in Punjab .

Education and research continued to flourish in Taxila university at the time of Alexander the great attack. the most exquisite collection of our tradition was Gandhara Art .

Many sufis travelled to Punjab during Muslim Regime and brought people's heart towards Islam. Bhagti Tehreek was initiated in reply to sufism .

Muslim rulers appreciated music, painting and calligraphy except Aurangzeb Alamgir . this distinct culture also influenced architectural designs. Punjabis not only built modern buildings but populated great cities like Islamabad and Chandigarh .

Punjabi language is considered one of the old languages it is developed through Dravidian language, Sanskrit and Pali languages flourished it further. The Punjabi literature has achieved world wide popularity. the Institute of Folk Heritage has put life in legends of Punjab .

پنجاب پانچ دریاوں (جہلم، چناب، راوی، بیاس اور ستلج) کی سرزمین (۱) برصغیر جنوبی ایشیاء کے شمال مغرب میں واقع ہے۔ اس کے شمال میں کوہ ہمالیہ اسے کشمیر اور تبت سے جدا کرتا ہے۔ جنوب میں

صوبہ سندھ اور بھارت کا صوبہ راجستھان ہے۔ مشرق میں دہلی کے علاوہ دریائے جمنا پنجاب اور اتر پردیش (یوپی) کے درمیان حد فاصل (Border line) کا کام دیتا ہے۔ مغرب میں صوبہ خیبر پختونخواہ ہے اور دریائے سندھ دونوں کی حدود کا تعین کرتا ہے۔ یعنی برصغیر کا جو علاقہ شرقاً غرباً انبالہ سے اٹک تک اور شمالاً جنوباً اسلام آباد سے بہاولپور تک پھیلا ہوا ہے پنجاب کے نام سے موسوم ہے۔ کرہ ارض پر یہ علاقہ 29.15تا 30.00 شمالی عرض بلد اور 70.40تا 76.00 مشرقی طول بلد کے درمیان واقع ہے۔(۲) یہ پنجاب کی جغرافیائی حدود ہیں۔ سیاسی حدود تاریخ کے مختلف ادوار میں بدلتی رہی ہیں۔

معاشرہ ایک تسلسل کا نام ہے یہ ہوتا نہیں بلکہ تشکیل پاتا رہتا ہے۔ یہ ایک چلار (Process) ہے، شے (Product) نہیں۔(۳) ماضی حال کو جنم دیتا ہے اور حال مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے۔ لہٰذا جمود معاشرے کے لئے موت کی علامت ہے۔ جفاکش اور بہادر پنجابیوں کا معاشرہ کبھی جمود کا شکار نہیں ہوا۔ پنجاب میں ہر دور میں فن و ثقافت کی واضح صورت گری ہوتی رہی، جو ایک تاریخی ضرورت تھی یا باالفاظ دیگر تاریخی ضرورت کے نتیجے میں یہاں فن و ثقافت کا احیاء ہوتا رہا ہے۔ جیسا کہ ہم جانتے ہیں کہ پنجاب کی زمین ماضی میں مختلف النسل حملہ آوروں کی آماجگاہ بنی رہی ہے۔ اس لحاظ سے اسے مشرق و مغرب کا وسطی دروازہ بھی کہا جاتا ہے۔ آریائی، ایرانی یونانی، سیتھی (شاکا)، پارتھی (پہلوی)، ساسانی، ہن، عربی، ترکی، منگول اور افغان جیسی اقوام کی آمد کا سلسلہ مدتوں اور مسلسل یہاں جاری رہا۔ مضبوط اور ترقی پسند اہل پنجاب نے نہ صرف بیرونی اقوام کی طرف سے کیے جانے والے مسلسل حملوں کا ڈٹ کر مقابلہ کیا بلکہ اپنی شناخت کو بھی برقرار رکھا۔ بڑے پیمانے پر دوسری اقوام کو بھی اپنے اندر اس طرح جذب کیا کہ دنیا کے کسی دوسرے علاقے کی تاریخ ایسی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ جو قومیں یہاں آئیں۔ اور ثقافتی و تہذیبی ورثہ انہوں نے یہاں چھوڑا، اس کیمیائی محلول میں تین چیزیں نمایاں ہیں۔ اول مختلف مذاہب، دو مختلف زبانیں اور سوم، مختلف رسم و رواج۔ یہی کیمیائی محلول ہماری سرزمین کی ثقافت ہے۔ اس ثقافت نے ہماری تہذیب کو بھی متاثر کیا ہے اور دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھی ہیں، جس پر ہم بجا طور پر فخر کرتے ہیں اور اسی کو ہم پنجابی ورثہ (Punjabi Heritage) قرار دیتے ہیں۔ تاہم یہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے۔ جس کو ہم حتمی طور پر علاقائی حدبندیوں تک محدود رکھیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس ورثے میں پورے طور پر سارے جگت (Cosmopolitan) کا رنگ منعکس ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ ایک لازمی اور دائمی حقیقت ہے کہ یہ خود بخود طبعی طور پر نشوونما اور ترقی کرتا رہا ہے۔ یہ ایک ثقافت نہیں بلکہ متعدد ثقافتوں کی چھاپ ہے جو مختلف نظریات سے مربوط ہیں، جو صدیوں کا ارتقائی سفر ہے۔

پنجاب کی تہذیب کی کوئی تصویر اُس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتی جب تک وادی سوان (Soan) اور وادی سندھ کا اکٹھا ذکر نہ کیا جائے۔ وادی سوان (ن دریائے سوان کے کنارے اٹک اور راولپنڈی کے نزدیک) وہ پہلی وادی ہے یہاں دنیا میں بسنے والے پہلے انسانوں نے آنکھیں کھولیں اور انسانی تہذیب کی بنیاد رکھی (۴) اس بات کا ثبوت ہمیں ماہرین آثار قدیم لیفٹیننٹ کے۔آر۔ٹوڈا اور مسٹر واڈیا مہیا کرتے ہیں جنہوں نے 1935ء میں وادی سوان کی کھدائی کر کے لاکھوں سال پُرانی تہذیب کے قیمتی آثار دریافت کیے۔ وادی سوان سے دریافت ہونے والے اوزار نوکیلے پتھروں، کنکریوں لکڑیوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر مشتمل ہیں حجری (پتھری) دور کے ان اوزاروں کی عمریں ۵ لاکھ سال تک ہیں (۵) امریکہ کی ژیل (Yale) یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر ڈیوڈ پل بیم نے پوٹھوہار کے علاقے سے دریافت ہونے والے نشانات کو ایک کروڑ سال پیشتر کا بتایا ہے۔ وادی سوان کے علاوہ ہڑپہ، موہن جو دڑو، ٹیکسلا، بلاسپور، دولت پور، ڈیرہ، نالہ گڑھ، روپڑ، کوٹ ڈیجی، امری اور 30 کے قریب دیگر مقامات سے جو آثار ملے ہیں، ان سے ہماری قدیم تاریخ کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہماری تہذیب سومیری (Sumerian) عراقی یا بابلی تہذیب کا حصہ ہے۔ جبکہ کچھ لوگوں کی رائے یہ ہے کہ یہ خالصتاً سوانی تہذیب ہے اور پنجاب کی پیداوار ہے۔ اس اختلاف سے قطع نظر ہم اِسے ایک واضح اور ترقی یافتہ پنجابی تہذیب قرار دے سکتے ہیں جو مختلف تہذیبوں کے مسلسل میل جول سے ظہور پذیر ہوئی ہے۔ اس تہذیب کی شان و شوکت آنے والے ویدی، ویدانتی اور جدید دور میں بھی برقرار رہی۔ پنجابی تہذیب و تمدن کا ارتقائی سفر جاری رہا۔ قطع نظر اس کے کہ تاریخ کے ساتھ ساتھ اس خطے کے حکمران تبدیل ہوتے رہے۔

آریہ 1500 ق م میں وسطی ایشیا (خوارزم، بخارا اور بحرہ کیسپین کے ساحلی علاقوں) سے نقل مکانی کر کے پنجاب میں وارد ہوئے۔ اِن سے قبل پنجاب میں منڈا، منگول، کولاری اور دراوڑی قبائل آباد تھے۔ (۷) آریوں کی ویدک بھاشا نے منڈاری اور دیگر زبانوں سے مل کر سنسکرت کو جنم دیا جو آگے چل کر دنیا کی عظیم ادبی زبانوں میں شامل ہوئی۔ اسی زبان میں آریاؤں نے پنجاب میں بیٹھ کر رگ وید (Rig-Veda) تحریر کی۔ جسے دنیا کی پہلی کتاب ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ (۸) علماء لسانیات اِس کا زمانہ تصنیف 3000 ق م سے 1000 ق م بتاتے ہیں۔ راجہ پری کشت کے بیٹے جنمے جیہ نے جب ناگا قبائل کو زیر کر کے اشومیدیگیہ (گھوڑے کی قربانی) کا جشن ٹیکسلا میں منعقد کیا تو کوی ویاس نے رامائن کو اِس جشن میں پڑھ کر سنایا تھا۔ (۹) گویا دنیا کی پہلی طویل ترین رزمیہ نظم بھی پنجاب میں ہی منظر عام پر آئی رامائن

کے ہیر ورام چندر کا تعلق بھی پنجاب سے تھا۔(۱۰) پانڈووں اور کوروؤں کی لڑائی، جو کورو کشیتر کے میدان میں ہوئی کے متعلق(٦) رزمیہ نظم مہابھارت اِسی علاقے میں ویاس جی نے تحریر کی۔ مہادیو شیو جی کے نندی بیل کا تعلق ضلع جہلم سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جہلم میں واقع ٹلہ جوگیاں نے اِس مذہب کے فروغ میں اہم کردار ادا کیا۔ بدھ مت کو بھی یہاں بہت فروغ ہوا۔ ٹیکسلا اور اس کے نواحی شہروں کے کھنڈرات آج بھی اِس مذہب کی عظمت رفتہ کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ جین مت بھی یہاں ایک مقبول مذہب رہا۔ بقول دیوی دیال کپل(۱۱)

ست دھرم کا استھان یہ گھوارہ برہمن گیان یہ
رشیوں پہ وید اترے یہاں ظاہر ہوئے سر نہاں

ان مذہبی کتابوں کے علاوہ غیر مذہبی ادب بھی پنجابی دانشوروں نے تخلیق کیا۔ مثلاً پنڈت پانینی سالاتور (صوابی) کا رہنے والا تھا اُس نے دنیا کی پہلی گرائمر اشٹ دھیائے 600ق م میں ٹیکسلا میں بیٹھ کر لکھی۔ لسانیات کے بارے میں ایک اور کتاب مہابھاشیہ جو اشٹ دھیائے کی شرح بھی ہے پنڈت پتنجلی نے ملتان میں بیٹھ کر تصنیف کی۔ مُصنف 179ق م میں زندہ تھا۔ اِن کے علاوہ کہانیوں کی پہلی کتاب پنچ تنتر بھی پنجاب میں ہی لکھی گئی۔ سکندر مقدونی کے حملے کے وقت (327ق م) ٹیکسلا یونیورسٹی میں درس و تدریس اور تحقیق کا سلسلہ جاری تھا۔ یہاں ویدوں کے علاوہ آرٹس اور سائنس کے 18 مضامین پڑھائے جاتے تھے۔ ملٹری سائنس ودیارتھیوں کا بہت ہی مقبول مضمون ہوا کرتا تھا۔ اِس مضمون پر مبنی کتابیں مثلاً شنکر آچاریہ کی کتاب شنکرنیتی (ShukraNiti) اور دیش جمپاپانہ کی کتاب نیتی پراکاشیک (Niti Prakashika) آج بھی دستیاب ہیں۔ ان کتابوں کو پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ قدیم میں بھی پنجاب کے باشندے فوجی اوصاف کے مالک تھے، فنِ حرب اور اسلحہ کے استعمال کی ایک خاص مہارت رکھتے تھے۔ مختصراً یہ کہ ٹیکسلا یونی ورسٹی اُس وقت لوگوں کی راہنمائی کر رہی تھی جب دنیا میں جہل کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ یونان کی سرزمین سے ابھی علم کے سوتے پھوٹنے شروع نہیں ہوئے تھے۔ غالباً یہ دنیا کی پہلی یونیورسٹی تھی (۱۲) اِسی لئے عظیم یورپی مورخ موریز ونٹر نٹز (Moriz winternitz) نے اپنے ساتھی مورخین کو قدیم ہندی یورپی ثقافت کے مطالعے کے لئیے ہندوستان میں پنجاب جانے کی تلقین کی تھی (۱۳) پنڈت پانینی اور چندر گپت موریہ کا وزیر اعظم چانکیہ کوتلہ (مصنف ارتھ شاستر) اِسی یونیورسٹی سے فارغ التحصیل تھا۔ سنسکرت زبان سے پیدا ہونے والی پالی زبان کی جنم بھومی بھی سرزمین پنجاب ہی بتائی جاتی ہے (۱۴) خروشتی رسم الخط بھی ٹیکسلا کی سرزمین پر معروض وجود میں آیا اور اِسی طرح شادرا

رسم الخط بھی پنجاب کے علاقے میں ہی وضع کیا گیا۔

فن اور تعمیرات کے شعبوں میں بھی پنجاب کی ثقافت انفرادی حیثیت رکھتی ہے۔ ہمارے فن یاآرٹ کی وسعت اور فن تعمیرات کی دل آویزی اور رنگارنگی کی اصل وجہ یہ ہے کہ مختلف مکاتب فنون کا عمل اور ردعمل صدیوں سے جاری وساری ہے۔ ہمارے آرٹ میں ہندیونانی، ہندعربی اور ہندآریائی آرٹ کی آمیزش ہے اور بڑی مہارت کے ساتھ یہ تمام عناصر اِس میں شامل کیے گئے ہیں۔ زمانہ قدیم میں گندھارا مکتبہ فن کو اعلیٰ وارفع مقام حاصل تھا۔ عربوں کی آمد سے پہلے ہماری تہذیب کا سب سے حسین مرقع گندھارا آرٹ ہی تھا۔ گندھارا آرٹ کا دوسرے مکاتبِ فن سے جو سانچی، متھرا، سرناتھ اور آدینتی میں واقع ہیں، بڑی آسانی سے الگ کیا جا سکتا ہے، گندھارا کے مجسمے پنجابی مزاج اور ماحول کی صحیح عکاسی کرتے ہیں، جو حتمی طور پر دیگر ہندوستانی آرٹ کے مقابلے میں نسبتاً زیادہ دیدہ زیب اور پیچیدہ علامتوں کے مظہر ہیں۔ محمد ولی اللہ خان کے مطابق گندھارا آرٹ میں بدھ کا مجسمہ جس شکل میں آیا اگر اُس کا موازنہ حضرت عیسیٰ کے اُن مجسموں سے کیا جائے جو یونانی عیسائیوں سے متعلق ہیں تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ بدھ کا مجسمہ یونانیوں نے حضرت عیسیٰ کے مجسمے اور وہاں کے راہیاء (راجہ) کے طرز پر تراشا تھا۔ یہی نہیں بلکہ ٹیوٹلری جوڑا جو نسلِ انسانی کی افزائش کا دیوتا اور دیوی ہے۔ گندھارا آرٹ میں پنچک اور ہریتی کے نام سے موسوم ہوا اور یہ خالصتاً یونانی دیومالائی دور کا ہے۔(۱۵)

لاہور عجائب گھر کے ذخیرے میں فاقہ کش سدھارتھ گوتم کا مجسمہ گندھارا بُت تراشی کا ایک لاثانی اور انمول نمونہ ہے۔ جس میں جسم کی ہڈیوں، رگوں اور شریانوں کو بڑی مہارت کے ساتھ دکھایا گیا ہے۔ مختلف جنگی ہتھیار، اوزار، زرعی آلات، مٹی کے ظروف، زیورات اور حمام میں استعمال ہونے والی دوسری آشیا اِسی زمانے کے ہنرمندوں کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ جو نہایت قابل ستائش ہیں۔ جیسا کہ ہمیں معلوم ہے کہ قدیم گندھارا کا علاقہ ٹیکسلا سے شروع ہو کر خیبر پختونخواہ اور افغانستان کے بعض علاقوں پر مشتمل تھا۔ اِس کے اہم مقامات ٹیکسلا، پشاور، چارسدہ، بونیر، سوات اور باجوڑ تھے۔ یہ عظیم الشان صوبہ اپنی سنہری بنیادوں اور وحدت الوجود کے پیروکاروں کے کیسری لباس کی وجہ سے ماضی میں ہمیشہ چمکتا دمکتا رہا ہے۔ گندھارا مکتبہ فن کے احیاء میں جو چیز متحرک تھی وہ بدھ مت کا عقیدہ مہایان تھا۔ (۱۶) کشان بادشاہ واسودیو (حکمرانی: 11-203ء) نے بدھ مت ترک کر کے ہندومت اختیار کیا تو تیسری صدی عیسوی میں گندھارا آرٹ کو زوال شروع ہو گیا اور پانچویں صدی عیسوی تک یہ آرٹ بالکل معدوم ہو گیا۔(۱۷)

ایرانی اور ترکی تہذیب کا غلبہ پنجاب پر تقریباً آٹھ سو برس رہا ایرانی غلبے کی سب سے روشن نشانی فارسی زبان تھی۔ ترکوں کا رہن سہن پنجاب کے لوگوں سے مختلف تھا۔ جس کی وجہ سے متعدد صنعتوں کو فروغ حاصل ہوا۔ لیکن اِن تبدیلیوں کے اثرات زیادہ تر کھاتے پیتے شہری طبقے پر مرتب ہوئے ۔ دیہی علاقوں کے افراد نے اِس کا بہُت کم اثر لیا۔ اِس طرح ہماری تہذیب کے دو رنگ اُبھر کر سامنے آئے۔ ایک ترک ایرانی (Turku-Persian) طرز پر شہری تہذیب اور دوسرا مقامی تہذیب کا رنگ۔ شہری تہذیب کی صاحب اقتدار طبقے کی طرف سے سرپرستی کی گئی اور مقامی تہذیب اپنی داخلی صلاحیتوں کے طفیل زندہ رہی۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آمد کی تاریخ محمد بن قاسم کی فتح ملتان 713ء سے شروع ہوئی ہے۔ سلطان محمود غزنوی نے 1021ء میں اپنی قوت کے بل بوتے پر لاہور سمیت پنجاب کے بیشتر حصّے کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا اور جلد ہی لاہور اسلامی ثقافت کا مرکز بن کر اُبھرا۔ دور محمود میں بڑی تعداد میں اہل علم و دانش اور علماء و صوفیا کرام نے پنجاب کا رُخ کیا۔ اِن حضرات میں حضرت داتا گنج بخش (1009ء ۔1072ء) کا نام سب سے نمایاں ہے۔ اُنہوں نے لاہور میں سکونت اختیار کی اور ہزاروں لوگوں نے آپ سے روحانی فیض حاصل کیا۔ ہندووں کی بھی ایک کثیر تعداد نے آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ دیگر بزرگان دین میں شیخ اسماعیل بخاری (لاہور) بابا فرید گنج شکر (پاک پتن) سلطان سخی سرور (شاہ کوٹ) محمد یوسف گردیزی (ملتان) بہاوالدین ذکریا (ملتان) اور مخدوم جہانیاں جہاں گشت (اوچ شریف) سر فہرست ہیں (۱۸) اِن بزرگانِ دین نے پنجابی زبان سیکھی اور گاوں گاوں جا کر اسلام کی تبلیغ کی۔ اِن کے ہاتھ میں تلوار کی بجائے کتاب تھی۔ اُنہوں نے قتل و خون ریزی کی مذمت کی اور صُلح کل کا راستہ اختیار کیا ۔ اُن کے اس طریقہ کار کے نتیجے میں بے شمار لوگ مسلمان ہونے (۱۹) لباس، رہائش، بول چال، رسم رواج، تعمیرات اور کھیلوں وغیرہ کی تو بات ہی کیا ہے غرض زندگی کے ہر شعبے کو اسلام نے اپنا رنگ انفرادیت بخشا۔

بارہویں صدی عیسوی میں کچھ روشن خیال پنڈتوں اور فلسفیوں نے بھگتی تحریک کی بنیاد رکھی ۔ بھگتی تحریک کو عروج چودھویں اور پندرھویں صدی میں حاصل ہوا۔ بھگتی تحریک کے قائدین مذہب میں اعتدال پسندی اور مختلف مذاہب خاص طور پر ہندومت اور اسلام کے عقائد کو یکجا کر کے ایک ہمہ گیر مذہب کی تشکیل چاہتے تھے۔ یہ تحریک وادی گنگا و جمنا میں تو کوئی طاقت نہ پکڑ سکی۔ بحر حال پنجاب کے کسانوں نے اِسے ایک توانا تحریک بنا دیا۔ اس تحریک کے دو بڑے پیشوا بنارس کے بھگت کبیر داس (1440ء۔1518ء) اور بابا گورو نانک شاہ جی تلونڈی رائے بوئے والے (1469ء۔1539) گزرے ہیں۔

اگرچہ کبیر نے ہمیں کوئی ازم نہیں دیا تاہم برصغیر کے بعض علاقوں میں اِن کے ماننے والے پائے جاتے ہیں(۲۰) نانک نے سکھ مت کی بنیاد (1499ء) رکھی۔ اُنہوں نے عوام سے اپنے پہلے پیغام میں کہا کہ کوئی ہندو نہیں کوئی مسلمان نہیں (۲۱) سب ایک خدا کی اولاد ہیں۔ تمام انسانوں سے یکساں سلوک کیا جانا چاہیے۔ نانک نے ہر قسم کی بت پرستی، ذات پات اور فرقہ واریت کی مذمت کی۔ اِس طرح اُنہوں نے کس حد تک ہندو مسلم ثقافت کو باہم ملانے کی سعی کی (۲۲)

مسلمانوں کے دور حکومت میں ہندوستان کے دیگر علاقوں کی طرح پنجاب میں بھی سماجی تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ عورتوں سے پردے کے لیے کہا گیا۔ مگر پنجاب کے دیہاتوں میں پردے کو کسی بھی دور میں مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ ہندووں میں رقص اور موسیقی بھگوان سے پریم کے اظہار کے طریقے تھے۔ علماء کرام نے اِسے حرام قرار دیا۔ عام مسلمانوں نے رقص اور موسیقی کو گھروں سے دور رکھا لیکن امراء نے کوٹھوں اور کلبوں کی سرپرستی شروع کردی۔ ہندو عورتوں سے شادیاں کیں۔ ناچ گانے کی محفلیں سجائیں۔ عالی شان عمارتیں بنوائیں۔ شعر وشاعری، موسیقی، مصوری اور خطاطی کی خوب حوصلہ افزائی کی۔ پنجاب میں فن مصوری کا آغاز اکبر بادشاہ کے عہد (1556ء-1605ء) سے شروع ہوتا ہے اکبر کے عہد میں مصوری کے تین اسٹوڈیو آگرہ، فتح پور سیکری اور لاہور میں بنوائے گئے (۲۳) اکبر کے بعد جہانگیر اور شاہجہان نے بھی مصوری کی سرپرستی کی لیکن اورنگزیب عالمگیر جو ایک کٹر مذہبی آدمی تھا اُس نے اپنے دور اقتدار (1658ء-1707ء) میں مصوری، موسیقی اور دیگر غیر اسلامی حرکات پر پابندی لگادی۔ چنانچہ دہلی اور لاہور کے مُصوروں نے مغل دربار کو الوداع کہا اور پنجاب کی پہاڑی ریاستوں کا رُخ کیا۔ اِن پہاڑی ریاستوں کے راجگان چونکہ ہندو تھے۔ اِن کی سرپرستی کی بدولت مصوروں نے وہاں کا مقامی اثر قبول کیا۔ اسے ہندوستانی مصوری میں پہاڑی طرز کہا جاتا ہے۔ ان میں عقیدہ وحدت الوجود، کرشن کا اساطیری کردار، سکھ گوروں کی کتھائیں، فطرت پرستی، پھول اور پتوں کے سائبانوں، برکھارت، کالے بادل، ہری بھری گاس اور ایک دوسرے سے پیار کرتے ہوئے کبوتر اور فاختوں کے جوڑے، عاشق و معشوق کا ہجر و وصال، مویشی، زیوارات، رنگین کپڑے اور عورتوں و مردوں کی آرزوئیں و تمنائیں اور محبت کے دل پذیر افسانوں کو خاص عنصر کی حیثیت حاصل ہے۔ اِن تصویروں (Portraits) میں بھرپور حقیقتوں کی ادراک کے ساتھ منظر کشی کی گئی ہے۔ جو آج بھی نیشنل میوزیم لاہور، نیشنل گیلری آف موڈرن آرٹ دہلی اور وکٹوریہ اینڈ البرٹ میوزیم لندن میں زندہ و جاوید پنجابی کلچر کی گواہی دے رہی ہیں۔ دور جدید میں بھی کئی مصوروں نے اِس آرٹ میں نمایاں کام کیا ہے۔ ان میں استاد الہ بخش، سوبھا سنگھ ،

امر تا شیر گل، عبدالرحمن چغتائی، حاضر زوبی، زبیدہ آغا، معین نجمی، احمد پرویز اور حنیف رامے سرفہرست ہیں۔

فنِ مصوری نے تعمیراتی ڈیزائنوں کو بھی متاثر کیا ہے اور اِسی طرح موخرالذکر نے پینٹنگ کی مہارت وصلاحیت کو متاثر کیا۔ اِس زمانے کی مختلف پینٹنگ سے تعمیراتی ترقی اور سماجی زندگی کا اندازہ ہوتا ہے۔ مینار اور بُرج، خوشنما دروازے، جالی دار کھڑکیاں، پتھر کی جالی، منقش ستون، قیمتی سامان سے آراستہ دربار، رنگین قالین، ستون اور دیوار کی کرسی اور سنگ تراشی کے ایسے نمونے جس میں اِنسان اور حیوان کے سروں کے مجسمے تیار کیے گئے ہوں، چمکدار رنگ، محراب نما طاقچے، خواب گاہیں، جام و مینا، چھجے اور بالکونیاں، گلاب افشاں، گلدان، شاداب پھل، پھولوں کی ٹوکریاں اور اِن تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ دیگر پینٹنگیں، لوگوں کی سانس لیتی ہوئی زندگی کی بھرپور انداز میں عکاسی کرتی ہیں۔ اِن پینٹنگس سے ہماری نظر سے کوئی ایسا منظر نہیں گذرتا جس میں اس جیتی جاگتی اور خوبصورت دنیا سے مایوسی یا فرار کا کوئی عنصر شامل ہو۔ یہ اٹھارویں صدی کا پنجاب ہے۔

ان چیزوں سے قطع نظر پنجاب میں ہمیں مسجدوں، مندروں، گوردوارں، قلعوں، محلات، باغات، مقبروں، حویلیوں، خانقاہوں، بارہ دریوں، مدرسوں، رہائشی مکانوں اور بازار وغیرہ میں بھی ہمیں نئے تعمیراتی ڈیزائنوں کا سلسلہ نظر آتا ہے۔ مثلاً: لاہور میں بادشاہی مسجد، جیلانی حوص، رنگ محل شالہ مار باغ اور شاہی قلعہ، شیخوپورہ میں ہرن مینار اور مرتسر میں گولڈن ٹمپل وغیرہ۔ اِن تمام عمارتوں میں بلاشک وشبہ مختلف ثقافتوں اور مختلف معتقدات کا جو ایک دوسرے سے گھل مل گئے ہیں ایک مجموعی تاثر ملتا ہے اور یہ عمل مساوی طور پر جاری وساری ہے۔ اہل پنجاب کو اپنی ثقافت سے بدرجہ اتم محبت ہے تاہم اِس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ نئے تصورات کو قبول کرنے اور نئی تیکنیک کو اپنانے میں کبھی پیچھے رہے ہیں۔ بے شک اُنہوں نے نئے تصورات بھی قبول کیے ہیں اور فکر وفن کی نئی تکنیک بھی اپنائی ہے۔ لیکن اپنے ماحول کے اصلی خدوخال، آب وہوا، مزاج اور معاشرتی زندگی کی اقدار کو کبھی متاثر نہیں ہونے دیا۔ اہل پنجاب نے غیر ملکی طرزِ فن اور ڈیزائنوں کو بھی اُس وقت قبول کیا جب وہ اُن کے مزاج کے مطابق ڈھل گئے۔ جدید ڈیزائنوں کے سلسلے میں پاکستان کا دارالحکومت اسلام آباد اور بھارتی پنجاب اور ہریانہ کا مشترکہ دارالحکومت چنڈی گڑھ (۲۴) دیکھا جاسکتا ہے، یہ دونوں منصوبے جدید پنجاب کے آفاقی احساسات کے آئینہ دار ہیں، اِن منصوبوں کو حقیقت کا روپ دینے والے ماہر انجینئروں کے ساتھ ساتھ ان ہزاروں پنجابیوں اور دیگر محنت کشوں کی انتھک محنت اور کاوشوں کی تعریف کیے بغیر نہیں رہا جاسکتا، جنہوں نے اِن

منصوبوں میں دل لگا کر محنت کی ہے۔ ان شہری منصوبوں کی تکمیل سے اِن کے معماروں کے احساسات، بلند حوصلگی، جرات مندی اور وسُعت نظری کا اندازہ ہوتا ہے۔ دونوں شہر پنجابیوں کی تخلیقی صلاحیتوں، توانائی اور عزم وہمت کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ اَمن کی آشا کے علمبردار کنور مہندر سنگھ بیدی سحؔر نے اسلام آباد کی سیر کرنے کے بعد اپنے خیالات کو اِن الفاظ میں قلمبند کیا۔ اسلام آباد جس کا قیام پاکستان کے وجود کے بعد ہوا، میں نے پہلی بار دیکھا، جی خوش ہوا۔ کیا ہی خوبصورت اور باسلیقہ شہر آباد کیا ہے۔ ہم ہندوستان والے چنڈی گڑھ کو ایک خوبصورت شہر سمجھتے ہیں لیکن اسلام آباد کو ہر لحاظ سے پُرکشش اور پُر فضا پایا۔ (۲۵)

پنجابی ایک قدیم زبان ہے۔ جس کا دھارا دراوڑی سرچشموں سے پھوٹا ہے۔ سنسکرت اور پالی زبان نے اِس کے لغوی سرمائے کو متاثر کیا ہے۔ (۲۶) یہ وسیع وعریض علاقے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے جس کی حدود خیر پور سے لے کر دہلی تک اور پشاور سے لے کر جموں تک پھیلی ہوئی ہیں۔ اس زبان کے قدیم صوفی شعراء میں چرپت ناتھ، پورن بھگت، مسعود سعد سلمان، شاہ شمس سبز واری، بابا فرید گنج شکر، خواجہ امیر خسرو، شیخ ابراہیم فرید ثانی، بابا گورو نانک، شاہ حسین، سلطان باہو، وارث شاہ، بُلھے شاہ، سچل سرمست، خواجہ غلام فرید، میاں محمد بخش اور سید فضل شاہ معروف ہیں۔ پنجابی شاعری کی مشہور اصناف حمد، نعت، منقبت معراج نامہ، جنگ نامہ، مرثیہ۔ سی حرفی، بیت، کافی اور شلوک وغیرہ ہیں۔ پنجابی کے منظوم قصے ہیر رانجھا، سوہنی مہینوال، مرزا صاحبان، ڈھولہ بانو، مندری مونگر، راول چگنی، مراد بلوچ سہتی اور چند دیگر قصے اِس زبان کا لازوال ادبی سرمایہ ہیں۔ (۲۷)

پنجاب کے اساطیر (Legends) نے بھی اِس تاریخی سرزمین کے سماجی اور ثقافتی مطالعے میں اضافہ کیا ہے۔ لوک کہانیاں اور بھانڈوں کے گیتوں کو بھی پنجاب کی روز مرہ کی زندگی میں خاص مقبولیت حاصل ہے۔ بقول سر آر۔ سی ٹیمپل (Sir R.C Temple) ''پنجاب جیسی سرزمین میں بھاٹوں کی کہاوتیں عام لوک کہانیوں کا درجہ رکھتی ہیں (۲۸) رُوحانی، رومانی اور جذباتی سرزمین پنجاب میں لوک کہانیوں کی بہتات ہے۔ یہ گاوں اور دیہاتوں میں پارکوں اور زنان خانوں میں اور جہاں بھی عورتیں اور بچے جمع ہوں سنائی جاتی ہیں۔ رُوایتی بھانڈوں (۲۹) کے لوک گیتوں میں قومی اساطیری کردار، اِن کے کمالات، اخلاقی تعلیمات سوانگ اور غنائی اور تمثیلات کے عناصر صاف اور نمایاں نظر آتے ہیں۔ بعض معاملات میں یہ اساطیری کردار پنجاب کی سماجی، ثقافتی، سیاسی اور سوانحی تاریخ کا بہترین ذریعہ بھی ثابت ہوتے ہیں۔ ہمیں سر ٹیمپل اور لوک ورثے کے قومی ادارے (اسلام آباد) کا شکر گزار ہونا چاہیے جنہوں

نے پنجاب کے اساطیری کرداروں کو از سر نو زندہ جاوید کر دیا ہے۔ ورنہ یہ قیمتی ورثہ مراثیوں اور بھانڈوں کے اداروں کے زوال کے ساتھ ہی ناپید ہو جاتا۔ پورن بھگت، راجہ، رسالو، ساکھی سرور، دانی جٹی، دھنا بھگت، راجہ گوپی چند، راجہ سنسار چند، دُلا بھٹی، جیونا موڑ اور دیگر لوک قصے پنجابی ثقافتی منظر کے صحیح آئینہ دار ہیں جو مختلف رنگ وروپ لئے پنجابی تاریخ کے نرم و نازک اور طوفان خیز دھاروں سے گزرتا ہوا ہم تک پہنچا ہے۔ اِس منظر کی رنگارنگی میں یہاں ہمیں محبت وعظمت، یقین وہمت، بندہ و خدا کی پُر اسراریت کا احساس ہوتا ہے، وہاں ہمیں روح و مادہ، عقیدہ و بے یقینی اُمید و خوف اور غلامی و آزادی یعنی یہ کہ ہمیں ایک بھرپور جیتی جاگتی اور عملی زندگی کا شعور ملتا ہے، جو یہاں کے لوگوں کا حقیقی وصف ہے۔

فن و ادب اور خیالات و عقائد غرض کہ اب تک پنجاب کی سرزمین میں جتنے مسالک (lsms) نے اثر ورسوخ حاصل کیا ہے، اِن کے مطالعے سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ سرزمین جس کا قدیم نام سپت سندھو تھا ایک الوانِ منشوری (Prismatic Band) کی حیثیت رکھتی ہے۔ جس میں مختلف رنگ ایک وحدت میں ڈھل کر اپنی تابناک عظمتوں کی گواہی دے رہے ہیں۔ شورش اور بغاوت کے باوجود گوتم بدھ کی تعلیمات اَمن و عدم تشدد، مذہبی کتابوں کی ارفع رُوحانیت، حملہ آوروں اور تاجروں کی سخت گیری اور مشقت اور نوجوانوں کے دھڑکتے دلوں میں پرورش پانے والا ''جذبہ محبت'' کا سلسلہ اب تک ٹوٹنے نہیں پایا اور بچوں کے پالنے کی طرح ہمہ وقت جھول رہا ہے۔ چنانچہ اِسی پالنے میں پنجاب کی وہ تمام سماجی، سیاسی اور معاشی سرگرمیاں سمٹ کر آگئی ہیں جو تقلید پسندوں (Orthodox) کے خیالات سے ہم آہنگ ہیں اور عملی زندگی کے تین نمایاں آدرش (Aims) کا ایک اصول (Doctrine) فراہم کر رہی ہیں جس کی ماضی میں بھی پابندی کی گئی ہے اور آج بھی اِس پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ جس کے نتیجے میں پنجاب کی ثقافت پر اِس کے قدیمی اثرات غالب ہیں۔ یہ تین قابلِ ذکر آدرش دھرم (اصولوں پر مبنی انفرادی اور اجتماعی زندگی) کرم (اعمال کا پھل) اور کام (زندگی کی نعمتوں سے لطف اندوزی) ہیں جو اِس ثقافت کی بنیاد ہیں۔ یہ تینوں آدرش آگے چل کر مشترکہ طور پر چوتھی اور آخری منزل ''موکش'' کا روپ دھار لیتے ہیں جس کے معنی ہر طرح کی دنیوی بندشوں سے نجات اور ابدی مسرت کا حصول ہے۔ (۳۰)

حوالہ جات و تشریحات:

(۱) پنجاب سے پہلے اس سرزمین کے مختلف عہدوں میں مختلف نام رہے ہیں، جیسے سپٹ سندھو (رگ وید) ہپت ہندو (ژنداُوستا) واہیک (مہابھارت) ثت گوش، پنچ جنیا کرشتی، پنچ ند، پنچ امبو اور پینٹا پوٹامیہ (یونانی نام) وغیرہ دیکھے: ڈاکٹر انجم رحمانی، پنجاب تمدنی و معاشرتی جائزہ، ص ص ۲۵ تا۴۹ لاہور، الفیصل ناشران وتاجران کتب ۱۹۹۸ء

(۲) لیفٹیننٹ کرنل ہنری سٹین بچ، The Punjab ص ا لندن، اسمتھ ایلڈر اینڈ کمپنی ۱۸۴۵ء

(۳) میک آئیور اینڈ پوگ، Society ص ۵۱۱، لندن میک میلن ۱۹۵۰ء

(۴) پٹرسن اینڈ ڈرومنڈ Soan: The Paleolithic of Pakistan، ص ۵ کراچی، ڈیپارٹمنٹ آف آرکیالوجی ۱۹۶۲ء

(۵) ڈی۔ڈی کوسمبی، قدیم ہندوستان کی ثقافت اور تہذیب (مترجم بالمکند عرش) ص ۵۷ نئی دہلی، ترقی اردو بورڈ ۱۹۷۹ء

(۶) روزنامہ The Pakistan Time، لاہور ۱۵ جولائی ۱۹۷۷ء

(۷) عین الحق فرید کوٹی، اردو زبان کی قدیم تاریخ، ص ۹۶ ، لاہور اورینٹ ریسرچ سینٹر ۱۹۸۸ء

(۸) ڈاکٹر انجم رحمانی کی محولہ کتاب ص ۱۸،

(۹) بدھ کاش Political and Social Movement in Ancient Punjab، ص ۱۳۳ لاہور، عزیز پبلشرز ۱۹۶۷ء (رامائن کے مصنف والمیکی ہیں)

(۱۰) رامچندر اجودھیا کے راجہ دَشرتھ کے بڑے فرزند تھے۔ رامچندر کے بڑے بیٹے لوہ نے لاہور کی بنیاد رکھی اور دوسرے بیٹے کسو (قصو) نے قصور شہر آباد کیا۔ دیکھئے راوؔ جاوید اقبال، لوہ کوٹ سے لاہور تک، لاہور، راجپوت بک فاونڈیشن ۲۰۰۲ء

(۱۱) دیوی کپل کی کتاب ٹیکسلا بحوالہ ڈاکٹر انجم رحمانی کی محولہ کتاب، ص ۱۵

(۱۲) محمد آصف خان، پہلی گل، نکھیڑے از پروفیسر قاضی فضل حق، ص ۷ لاہور پاکستان پنجابی ادبی بورڈ ۱۹۸۵ء مزید دیکھے: ڈاکٹر انجم رحمانی کی محولہ کتاب، ص ۱۷ محمد آصف خان، ٹیکسلا یونیورسٹی، ششماہی پنجابی ادب جلد ۱۲ ، لاہور، پاکستان پنجابی ادبی بورڈ ۱۹۹۸ء

(۱۳) آئی۔کے ویگ کا مضمون Punjab: the sword - Aram of India during the Ancient Period, Proceeding of Punjab History Conference ص ۲۱ پٹیالہ یونیورسٹی ۱۹۶۶ء

(۱۴) محمد اسماعیل زبیح، مقدمہ: ارتھ شاستر از چانکیہ کوتلیہ (ترجمہ شان الحق حقی) ص ۲۱، کراچی بلاک ۲ آر ۶۸ پی ای سی ایچ ایس ۱۹۹۱ء

(۱۵) محمد ولی اللہ خان، گندھارا، ص ۲۱ ، اسلام آباد، لوک ورثے کا قومی ادارہ سنہ ندارد

(۱۶) مہایانی فرقے کا آغاز کشان خاندان کے تیسرے راجہ کنشک کے عہد ۳۶۔۱۱۳ء میں ہوا۔ مہایاں عقیدہ کی رُو سے تصویروں اور بتوں کے استعمال کی اجازت دی گئی۔ دوسرے قدیم فرقے ہن یان کے ہاں سادگی تھی۔

(۱۷) ڈاکٹر انجم رحمانی کی محولہ کتاب، ص ۱۷۰

(۱۸) اعجاز الحق قدوسی، تذکرہ صوفیاء پنجاب، ص ص ۳۷ ۔ ۳۲۸، کراچی ۱۹۹۶ء شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ص ص، ۳۷ تا ۸۶ لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ ۱۹۹۲ء

(۱۹) احمد سلیم، جدید پنجابی ادب ایک سوالیہ نشان، ص ۱۱، کراچی، رکتاب ۱۹۸۶ء

(۲۰) ڈی۔ پی سینگال، A History of Indian People، ص ۱۵۹ لندن، میتھوین ۱۹۸۳ء مظہر الاسلام، لوک پنجاب، ص ۱۸۹ اسلام آباد، لوک ورثے کا قومی ادارہ ۱۹۸۷ء

(۲۱) خشونت سنگھ لکھتا ہے کہ نانک کے اِس خیال نے پنجابی بیداری اور پنجابی قومیت کو جنم دیا۔ A History of Sikhs جلد اول، ص ۴۸ ، دہلی، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۹۷۷ء، ڈاکٹر جے ایس گریوال کے مطابق نانک کی تعلیمات سیاسی نہیں بلکہ مذہبی ہیں۔ From Guru Nanak to Maharaja Ranjit Singh, ص ۲ ، امر تسر، گورونانک دیویونیورسٹی ۱۹۷۲ء

(۲۲) ڈی۔ پی سینگال کی محولہ کتاب، ص ۱۶۰

(۲۳) ڈاکٹر انیس فاروقی، ہندوستانی مصوری، ص ۵۳ نئی دہلی، ترقی اُردو بیورو ۱۹۸۱ء

(۲۴) چنڈی دیوی کے مندر کی وجہ سے اِس علاقے کا نام چنڈی گڑھ پڑ گیا۔

(۲۵) کنور مہندر سنگھ بیدی سحر، یادوں کا جشن، ص ۴۱۹ دہلی ۱۹۸۶ء

(۲۶) عین الحق فرید کوٹی کی محولہ کتاب،، ص ۲۶

(۲۷) عبدالغفور قریشی، پنجابی ادب کی کہانی، ص ص ۱۰۷ تا ۱۱۹ لاہور عزیز بک ڈپو ۱۹۷۲ء، مزید دیکھیے: راقم الطروف کا مضمون ''پنجابی زبان و ادب کا کٹھا'' در 'کارونجھر'، جلد ۵، شمارہ ۹ (ایڈیٹر: ڈاکٹر کمال جامڑو) ص ص ۱۲۰ تا ۱۳۰، کراچی، شعبۂ سندھی، وفاقی اُردو جامعہ، ۲۰۱۳ء

(۲۸) آر سی ٹیمپل کی کتاب The Legends of the Punjab، تین جلدیں بمبئی، ایجوکیشن سوسائٹی پریس ۸۶۔۱۸۸۴ء اسلام آباد، لوک ورثے کا قومی ادارہ ۱۹۸۱ء، اُردو ترجمہ عبدالرشید، حکایاتِ پنجاب لاہور، مجلس ترقی ادب ۱۹۶۲ء

(۲۹) بھانڈ کے معنٰی نقال یا مسخرے کے ہیں جبکہ بھاٹ نسب نامے یاد رکھنے والی قوم یا مراثی کو کہتے ہیں۔

(۳۰) این ڈی اوجہ، Punjab Past and Present : A cultural Retrospect in Punjab past and Present ص ص ۱۹۹۔ ۲۰۰ پٹیالہ، پنجابی یونیورسٹی ۱۹۷۰ء